مطالعۂ قرآن حکیم
ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ الانفال

(آیات ۲ - ۴)

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝

"مومن تو بس وہی ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر پر لرز اٹھتے ہیں اور جب اس کی آیتیں انہیں سنائی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقتاً مومن ہیں۔ ان کے لیے محفوظ ہیں ان کے رب کے پاس اعلیٰ درجے بھی اور عفو و درگزر بھی اور باعزت روزی بھی!"

سورۃ الانفال کی پہلی آیت کا اختتام "اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" کے الفاظ مبارکہ پر ہوا تھا یعنی جو احکام تمہیں دیئے گئے ہیں ان کی تعمیل ہی تمہارے زیادہ مناسبِ حال ہے' اگر تم فی الواقع مومن ہو۔ اسی مناسبت سے اگلی تین آیات میں' جن کا ترجمہ ابھی پیش کیا گیا' ایمانِ حقیقی کے بعض دوسرے ثمرات و مضمرات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان آیاتِ مبارکہ کے معانی و مفاہیم پر غور کرنے سے پہلے اس موضوع کی اہمیت کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

ایمان اصلاً ایک خاص باطنی وقلبی کیفیت کا نام ہے جو بعض اُمور پر یقین کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے یعنی اللہ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال، بعث بعد الموت، حشر و نشر، جزا و سزا اور جنّت و دوزخ، اور ملائکہ، وحی، نبوت و رسالت اور کتبِ الٰہی پر یقین کا حاصل جمع اور ان سب کا لبِّ لُباب ایمان ہے، لیکن یہ یقین ایک باطنی اور قلبی کیفیت ہے جس کے عدم و وجود کے فیصلے یا ناپ تول اور درجہ بندی کا کوئی ذریعہ انسان کے پاس موجود نہیں ہے۔ ان تمام امور کے حتمی اور یقینی فیصلے تو آخرت ہی میں اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل کی بنیاد پر ہوں گے۔ لیکن دوسری طرف اسلام صرف ایک اخلاقی یا روحانی تعلیم کا نام نہیں ہے بلکہ تہذیب و تمدّن اور حکومت و ریاست کے جملہ معاملات کو بھی اپنے حیطۂ اقتدار میں لینا چاہتا ہے۔ لہٰذا فطری طور پر اس کی ضرورت ہے کہ دنیا میں بھی اس کا فیصلہ کیا جائے کہ کون مومن ہے کون نہیں، یعنی کون مسلم معاشرے میں شریک اور اسلامی ریاست کا کامل شہری قرار پا سکتا ہے اور کون نہیں۔ چنانچہ دنیا میں اس فیصلے کو بعض ایسے اُمور پر مترتّب فرما دیا گیا جو خارجی اور ظاہری ہیں اور جن پر اس دنیا میں حکم لگایا جا سکتا ہے یعنی زبان سے اِن اُمورِ ایمانیہ کا اقرار اور کلمۂ شہادت کی ادائیگی اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی پابندی۔ اور ان اُمورِ خمسہ کو ارکانِ اسلام قرار دے کر اسلامی معاشرے اور ریاست کی اساس و بنیاد قرار دے دیا گیا۔ اور اس کے لیے اگرچہ "اسلام" کی جُداگانہ اصطلاح بھی وضع فرما دی گئی لیکن دنیا کی حد تک اسے "ایمان" بھی قرار دے دیا گیا۔ اگرچہ زیادہ معیّن الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ قانونی یا شرعی و فقہی ایمان ہے۔ اس طرح اگرچہ بات اپنی جگہ تو مکمل ہو گئی لیکن ایک ضرورت باقی رہی، اور وہ یہ کہ جو لوگ اس قانونی ایمان کے دائرے میں آ جائیں انہیں مسلسل تربیت دی جاتی رہے کہ اس مقام پر اکتفا نہ کر لیں بلکہ آگے بڑھ کر حقیقتِ ایمان تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اپنے قلوب و اذہان سمیت اپنی پوری شخصیت کو نورِ ایمان سے منور کرنے کی سعیِ پیہم میں مصروف رہیں۔ اس غرض کے لیے کہیں تو انداز و اسلوب وہ اختیار کیا گیا جو سورۃ النساء کی آیت ۱۳۶ میں ملتا ہے، یعنی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۔

"اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول ؐ پر نازل فرمائی!"

اور کہیں وہ اسلوب اختیار کیا گیا جو سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ میں ہے، یعنی:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا
يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

"یہ بدّو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ! ان سے کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"۔

غرضیکہ قرآن بار بار متنبہ کرتا ہے کہ قانونی ایمان یا اسلام اور ہے اور حقیقی ایمان اور بقول علاّمہ اقبال مرحوم ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملاّ کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

قانونی ایمان یا اسلام اِس دُنیا میں اسلامی معاشرے اور ریاست کی بنیاد اور اساس ہے، جبکہ آخرت کے معاملات کا معیارِ واحد حقیقی ایمان ہے۔ اس پورے معاملے کے منطقی نتیجے کے طور پر یہ ضرورت بھی سامنے آتی ہے کہ اُس مطلوب ایمانِ حقیقی کی جامع و مانع تعریف بھی بیان کی جائے اور اُس کے ثمرات و مضمرات کو بھی کھول کر بیان کیا جاتا رہے تاکہ اہلِ ایمان ان کی کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھتے رہیں اور اس کا ایک معیار ہمیشہ اُن کے پیشِ نظر رہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں تو جامع و مانع تعریف بیان کر دی، اس لیے کہ وہی موقع اس کے لیے سب سے زیادہ مناسب تھا اور دوسرے بہت سے مقامات پر ایمانِ حقیقی کے مختلف آثار و نتائج اور ثمرات و مضمرات کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ جیسے سورۃ التغابن کا دوسرا رکوع جو اس ضمن میں اگر قرآنِ حکیم کا جامع ترین مقام نہیں تو کم از کم جامع مقامات میں سے ایک ضرور ہے۔ ایسے ہی مقامات میں سے ایک آج کی زیرِ درس آیات پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں ایمانِ حقیقی کے پانچ لوازم یا ثمرات بیان ہوئے ہیں:

اوّلاً یہ کیفیت کہ جہاں اللہ کا نام آئے اور جب بھی اس کا ذکر ہو اصحابِ ایمان کے قلوب میں گداز پیدا ہو جائے اور اُن پر رقّت طاری ہو جائے۔ یہ کیفیت خشیتِ الٰہی اور محاسبۂ اُخروی کے خوف کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے اور عشق و محبتِ الٰہی کا ثمرہ بھی! لیکن بہرصورت یہ ہے ایمانِ حقیقی کا نتیجۂ لازمی۔ اس کے فقدان ہی کی صورت ہے جسے قساوتِ قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی آخری حد وہ ہے جسے یہود کے ذکر میں سورۃ البقرہ کی آیت ۷۴ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (یعنی پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوتے چلے گئے اور اب وہ پتھروں کے مانند ہو گئے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ سخت!) اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے

اپنی پناہ میں رکھے!

ثانیاً یہ کہ جب اللہ کی آیات سنائی جائیں تو اس سے اہلِ ایمان کو اپنے جذباتِ ایمانی میں جلا اور کیفیاتِ ایمانی کی شدت میں اضافہ ہوتا محسوس ہو۔ اس لیے کہ قرآنِ حکیم منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے سے ایمان میں لازماً اضافہ ہونا چاہیے' جیسے کہ ایک جلتی بھٹی کے سامنے بیٹھنے سے حرارت کا احساس لازمی ہے اور اگر کسی شئے میں حرارت سرایت نہیں کرتی تو یہ ثبوت ہے اس کا کہ اس میں حرارت کو جذب کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہیں۔ اسی طرح اگر قرآن حکیم کے پڑھنے یا سننے سے کسی کے ایمان میں اضافہ نہیں ہوتا تو یہ قطعی ثبوت ہے اس کا کہ اس کے دل میں ایمانِ حقیقی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

ثالثاً یہ کہ بندۂ مومن کا توکل و اعتماد صرف ذاتِ خداوندی پر ہو' اس لیے کہ توحید کا حاصل یہ ہے کہ فاعلِ حقیقی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں' بقول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ: لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہُ ! اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ نہ رہے اور اس کی ذاتِ واحد کے سوا کسی اور سے رشتۂ بیم و رجا قائم نہ رہے' بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں' خدا سے نومیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟

جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو کہ کسی سبب یا علت یا ذریعے یا وسیلے میں یہ قوت نہیں کہ وہ اللہ کے اِذن کے بغیر کوئی نتیجہ پیدا کر سکے۔ اور دوسری جانب اللہ کسی سبب یا ذریعے یا وسیلے کا محتاج نہیں کہ اس کے بغیر اپنے کسی ارادے کو پورا نہ کر سکے' اس وقت تک ایمان باللہ ہی درست نہیں ہوتا' اور ان دونوں باتوں کا حاصل ایک ہی ہے' یعنی بھروسہ اور اعتماد اور توکل اور تکیہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو اور غیر اللہ سے ان تمام رشتوں کا انقطاع ہو جائے۔

رابعاً۔ اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز کی پابندی' اس کے جملہ شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اس لیے کہ عشق و محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محبوب کے ذکر سے لذت حاصل ہو اور اس سے مخاطبہ و مکالمہ ہی میں دل کو اصل راحت نصیب ہو' اور محبتِ الٰہی لازمی ثمرہ ہے ایمان باللہ کا' بفحوائے الفاظِ قرآنی: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (یعنی جو لوگ واقعۃً حلاوتِ ایمانی کی لذت آشنا ہوتے ہیں ان کو سب سے بڑھ کر محبت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے!) لہٰذا وہ تو بے چین رہتے ہیں کہ کب اِذنِ نماز یعنی اذان کی آواز کان میں پڑے

اور وہ ہمہ تن ذکرِ الٰہی کی جانب متوجہ ہو جائیں۔

خامساً۔ انفاق فی سبیل اللہ یعنی جو کچھ اللہ نے عطا فرمایا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں مسلسل خرچ کرتے رہنا۔ یہ بھی لازمی اور منطقی نتیجہ ہے ایمانِ حقیقی کا۔ بلکہ اس ضمن میں ایمان کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ

"جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی ۔۔۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا !"

کے مصداق سب کچھ اللہ کی راہ میں لُٹا دیا جائے۔ یہ تو دراصل اللہ ہی کے حکم کی تعمیل میں ہے کہ بندۂ مومن اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر بھی صرف کرے، ورنہ اس کی اصل خوشی انفاق فی سبیل اللہ میں ہے!!

ان آخری دو ثمراتِ ایمانی کے لیے جو الفاظ یہاں مستعمل ہوئے ان سے بھی سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال کا ایک قریبی تعلق سامنے آتا ہے، اس لیے کہ سورۃ البقرہ کے آغاز میں بھی بعینہٖ یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں!

اس مقام پر 'تدبرِ قرآن' کے اعتبار سے ایک نکتہ بہت اہم ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں آخری سے پہلی (LAST BUT ONE) آیت میں الفاظ وارد ہوئے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○

"اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ ہیں حقیقی مومن، ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی!"

اس سے ایمانِ حقیقی کی تصویر کا دوسرا رُخ کاملۃً سامنے آجاتا ہے یعنی ہجرت و نصرت اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ، جو ایمانِ حقیقی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر سورۃ الانفال کے آغاز و اختتام کے اِن دونوں مقامات کو جمع کر لیا جاتے تو ایمان کے ثمرات و مضمرات اور آثار و نتائج کے یہ دونوں رُخ مل کر ایمان کی جامع و مانع تعریف کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہے وہ مضمون جو سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں وارد ہوا جس کی جانب اشارہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ وہاں آیت ۱۴ میں، جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے، ایمان اور اسلام کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ گویا وہ موزوں ترین مقام ہے ایمان کی جامع و مانع تعریف کا جو ان الفاظ میں وارد ہوئی کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

"حقیقی مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اُس کے رسول پر، پھر شک میں نہ پڑیں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اور کھپائیں اس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی۔ (دعوائے ایمان میں) سچے صرف وہی ہیں!

آیاتِ زیرِ درس میں ایمانِ حقیقی کے اجر و ثواب کی قطعیت و حتمیت، درجات و مراتبِ عالیہ کے پختہ وعدے اور رزقِ کریم کی نوید جانفزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ حقیقی کی دولتِ بے بہا سے نوازے اور ان وعدوں کا مصداق بنائے! ـــــ اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرّٰشِدِیْنَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

بقیہ: ' حرفِ اوّل '

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مرتب کردہ منتخب نصاب کے قرآنی دروس پر مشتمل ہے جس کے ذریعے دین کا ایک جامع خاکہ بھی واضح ہوتا ہے اور دینی ذمہ داریوں کا بھی صحیح تصوّر اجاگر ہوتا ہے ـــــ دوسرا کورس عربی گرامر کی تدریس سے متعلق ہے۔ قرآن حکیم کو بلا کسی ترجمے کے واسطے کے براہ راست سمجھنے کے لئے عربی زبان کی تحصیل ضروری ہے اور عربی زبان سیکھنے کے لئے گرامر کے بنیادی قواعد کا جاننا ناگزیر ہے۔

جو حضرات بھی ان کورسز میں شرکت کے خواہاں ہوں وہ کورس کے پراسپکٹس ' داخلہ فارم اور دیگر تفصیلات شعبۂ خط و کتابت کورس ' قرآن کالج ۱۹۱۔ اتاترک بلاک ' نیو گارڈن ٹاؤن سے طلب فرمائیں اور اللہ کا نام لے کر اس تعلیمی کورس کا آغاز کر دیں۔ **اللھم وفقنا لھذا** ☆☆